اعتقاد کے متفرق مسائل

سوال:۔ اعمال صالحہ ایمان کا عین ہیں یا اس کے اجزاء۔ نماز ایمان میں داخل ہے یا نہیں؟

محمد حسن پنجابی الٰہ آبادی متعلم مدرس دارالحدیث گھنٹہ بیلہ جے پور

جواب:۔ سوال عربی میں ہے۔ جواب بھی عربی میں دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ احادیث سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ ایمان ایک کیفیت ہے اور اعمال صالحہ اس کے اجزاء ہیں۔ مگر ان اجزاء کو یہ اہمیت حاصل نہیں کہ ان کے فوت ہونے سے ایمان فوت ہو جائے۔ ہاں۔ نماز ایسا رکن ہے کہ اس کے نہ پڑھنے سے ایمان ہی نہیں رہتا۔

عبداللہ امرتسری ۲ محرم الحرام ۱۳۶۰ھ

نوٹ:۔ محدث روپڑی کے غیر اُردو فتاویٰ کا تذکرہ آخر کتاب میں کیا جائیگا۔ انشاء اللہ مرتب

سوال:۔ اصل ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے یا کمال ایمان میں۔ خوارج اور محدثین کے درمیان تعریف ایمان میں امتیازی کیا فرق ہے؟

جواب:۔ قرآن مجید میں کلمہ شہادت کو شجرِ طیبہ (درخت) سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً الآیہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ الایمان بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً اَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الحدیث۔ ایمان کی مثال درخت سے دی گئی ہے جس طرح درخت کی جڑ زمین کے اندر پوشیدہ رہتی ہے اور اوپر اس کا "تنا اور ٹہنیاں اور شاخیں ہوتی ہیں اسی طرح ایمان بھی ظاہر و باطن اندر اور باہر کے مجموعہ کا نام ہے۔ ——— ایمان کی جڑ یا تو مومن کے قلب میں یقین و اذعان کی صورت میں ہوتی اور پوشیدہ رہتی ہے۔ اور اس کا اعلیٰ شعبہ یعنی "تنا" زبان کی شہادت ہے۔ اور بقیہ اعمال اس جڑ و تنہ کی شاخ اور ڈالیاں ہیں۔ جس طرح اندر سے باہر تک درخت کے مجموعی حصہ کو درخت کہتے ہیں۔ اگرچہ تفصیل کے وقت کسی کو جڑ کسی کو شاخ اور تنے سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح ایمان اعتقاد و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور جس طرح بعض شاخ یا تنے کے نکل جانے سے اصل درخت کا وجود باقی رہتا ہے۔ مگر اس میں نقص آجاتا ہے۔ اسی طرح بعض اعمال کے نہ پائے جانے سے اصل ایمان کے اندر نقص آجاتا ہے۔ اور اگر کل اعمال متروک ہو جائیں۔ تو اس کی مثال اس درخت کی ہے جو صرف جڑ ہی جڑ ہے۔ اور درخت کی کوئی حیثیت اس کے اندر موجود نہیں۔ ایسی صورت میں

پھر اصل درخت ہی کالعدم بلکہ معدوم ہو جاتا ہے۔ یہی حال ایمان کا ہے۔ اس اسلامی تعریف کو مدنظر رکھتے ہوئے جزو و کامل وغیرہ کو جس طرح چاہیں تعبیر کر لیں ؎

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ
وَكُلٌّ إِلٰى ذَاكَ الْجَمَالِ يُشِيْرُ

شرعی ایمان

پھر ایمان کی یہ تعریف شرعی معنی سے ہے یعنی شریعت کے نزدیک یقین و عمل کے مجموعہ کا نام ایمان ہے۔ لغوی معنی ایمان کے ایک تو امن دینے کے ہیں جس کا مفہوم ان لفظوں میں بتلایا گیا ہے۔ اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اٰمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهٗ دوسرے معنی یقین و تصدیق کے ہیں۔ جیسے اخوان یوسفؑ نے حضرت یعقوبؑ سے کہا تھا کہ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِيْنَ۔ کیونکہ مومن کے لئے کتاب و سنت کی باتوں اور ان کی خبروں پر یقین کرنا ضروری ہے۔ اور یہی چیز انسان کو عذاب سے امن میں رکھنے والی ہے۔ لہٰذا اس لفظ کو اس موقع پر دونوں معنی ملحوظ رکھتے ہوئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور چونکہ تصدیق کا ثبوت اعمال سے ہوتا ہے۔ جیسے درخت کا وجود اس کے تنا و شاخوں سے۔ اس لئے حکیم کامل نے اس کو درخت سے تشبیہ دی اور جس طرح درخت کی ڈالیاں مختلف حیثیت رکھتی ہیں۔ کوئی بہت بڑی جو قائم مقام درخت کے قرار دی جاتی ہے۔ تو کوئی بالکل معمولی اسی طرح اعمال کی نوعیت ہے۔ اور جس طرح درخت کی شاخ اور پتیاں کبھی درخت سے الگ ہو جاتی ہیں۔ اور کبھی صرف ٹہنیوں اور پتیوں کی تازگی اور رونق مفقود ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اعمال کا اثر کبھی تو نفس ایمان پر پڑتا ہے۔ کبھی اس کی رونق اور رنگت پر لہٰذا کبھی اصل ایمان میں نقص آتا ہے۔ کبھی کمال یعنی اس کی رونق و بہجت پر۔

محدثین و خوارج کا تعریف ایمان میں امتیازی فرق

محدثین اعتقاد و اعمال کو ایمان کی تعریف میں لیتے ہوئے پھر بھی ترک عمل کو کفر نہیں کہتے۔ بخلاف خوارج کے ان کے نزدیک انسان باوجود یقین و اعتقاد کے ترک عمل سے کافر ہو جاتا ہے۔ اور محدثین کے نزدیک ایسے شخص کا شمار کافر میں نہیں بلکہ فاسق میں ہوگا۔ خوارج آیت وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا

فَمَا وٰهُمُ النَّارُ كُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا اُعِيْدُوْا فِيْهَا۔ خلود فی النار لیتے ہوئے اس کو کافر قرار دیتے ہیں۔ مگر حضرات محدثین کہتے ہیں۔ کہ یہاں فسق سے مراد ہی کفر ہے۔ کیونکہ اس کے بعد آتا ہے وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ اس سے معلوم ہوا ان کے اندر تصدیق ہی سرے سے نہیں تھی۔ کیونکہ عذاب کے مستحق دوزخ کے منکر اور اس کے مکذب تھے۔ اب رہا موحدین مؤمنین تارکین اعمال کا کافر نہ ہونا اس کی دلیل قولہ عزوجل اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ہے۔ کیونکہ یہاں غیر شرک کے لئے مغفرت مقید بمشیت کا اظہار کیا گیا ہے اگر صرف توحید سے مومن نہیں اور ترک اعمال سے کافر ہو گیا تو اس کی مغفرت کے لئے مشیت الٰہی بھی نہیں ہوگی۔ اس لئے محدثین کے نزدیک باوجود اعمال کے داخل ایمان ہونے کے ان کے ترک سے آدمی کافر نہیں ہوتا اور خوارج کے نزدیک کافر ہو جاتا ہے۔

عبداللہ امرتسری ۱۴ر ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ

ایمان کی تعریف

سوال:۔ کیا ایمان ایک قسم کی کیفیت ہے یا اس کا تعلق کم (مقدار و عدد) سے ہے؟

جواب:۔ ایمان شرعی اعتقاد بالقلب۔ نطق باللسان۔ عمل بالارکان ان تین اجزاء کا نام ہے۔ اور یہ تینوں اس کے لئے اجزاء حقیقیہ ہیں۔ جیسے درخت کے لئے اس کی شاخیں اور پتے اور نماز کے لئے اس کے واجبات اور سنن۔ ایمان کسی ایک مقولہ کے تحت میں نہیں۔ بلکہ کئی مقولوں سے مرکب ہے۔ اس لئے کہ اس کا ایک جزء (اعتقاد) مقولہ کیف سے ہے۔ اور دوسرا جزء (نطق) مقولہ فعل سے ہے۔ اور احادیث شفاعت کے بعض الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایمان مقولہ کم سے بھی ہے۔ ایمان کے تین اجزاء میں سے پہلے دونوں جزء اعتقاد اور نطق تو اس کے لئے رکن ہیں۔ یعنی ان کے فوت ہونے سے ایمان ہی فوت ہو جائے گا۔ لیکن تیسرا جزء (اعمال صالحہ) ایسا نہیں ہے۔ یعنی اس کے فوت ہونے سے ایمان فوت نہیں ہوگا۔ اِلَّا الصَّلٰوةَ فَاِنَّهَا رُكْنٌ لِلْاِيْمَانِ كَالْاِعْتِقَادِ وَالنُّطْقِ۔

عبداللہ امرتسری ۱۰ر محرم ۱۳۶۰ھ

محدث روپڑی کے جواب کا خلاصہ ذکر کر کے مولوی آفتاب احمد نے اعتراض کیا ہے۔

اعتراض ا: سوال یہ ہے کہ ایمان محض فرضی و اعتباری شے ہے۔ یا کوئی واقعی اور نفس الامری حقیقت ہے؟ ظاہر ہے کہ شق اول باطل ہے۔ اس لئے جب وہ ایک واقعی نفس الامری حقیقت ہے تو اس کا کئی مقولوں سے مرکب ہونا دو وجہوں سے محال ہے۔ اولاً اس لئے کہ کسی حقیقت واحدہ واقعیہ کا اندراج تحت مقولتین ممتنع ہے۔ فضلاً عن المقولات کی تقرر فی مقرہ اور ثانیاً اس لئے کہ آپ نے ایمان کو مقولہ کیف سے مان کر اس کے مقولہ کم سے ہونے کے احتمال کو بھی صحیح مانا ہے۔ تو گویا آپ کے نزدیک اجتماع النقیضین جائز ہے اس لئے کہ کم کا معنٰی ہے عرض یقبل القسمۃ بالذات اور کیف کا معنی ہے عرض لا یقبل القسمۃ بالذات تو ایک ہی شے بالذات قابل قسمت ہے بھی اور نہیں بھی کیا یہ اجتماع النقیضین نہیں؟

جواب: سوال کی بسم اللہ ہی غلط ہے۔ علم ہیئت کا موضوع دوائر وغیرہ یہ سب اعتبارات ہیں۔ اسی طرح ہر فن کے مصطلحات اعتبارات ہیں۔ جو اعتبار معتبر پر موقوف ہوتے ہیں۔ یہ باطل اس لئے نہیں کہ ان پر بڑے بڑے فوائد مرتب ہوتے ہیں۔ اور حقائق واقعیہ اور فی نفس الامر اس لئے نہیں کہ اعتبار معتبر پر موقوف ہیں فی نفسہا ان کا کوئی اپنا وجود نہیں جب آپ کی تمہید ہی غلط ہو گئی تو ان پر جن محالات کی آپ نے تفریع کی ہے۔ وہ خود ہی کالعدم ہو گئے۔

علاوہ اس کے آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ حقیقت نفس الامری کا اندراج دو مقولوں کے تحت ممتنع ہے۔ ذرا صدرا وغیرہ میں بحث اثبات ہیولی دیکھیں کہ اشراقیین جسم کا تقوم جوہر اور عرض سے مانتے ہیں حالانکہ عرض عرض میں اتنا بعد نہیں۔ جتنا جوہر عرض میں ہے۔ تو پھر ایک حقیقت کے دو مقولوں کے تحت درج ہونے سے آپ کو کیوں تعجب ہوا۔ اور اس نے آپ کے "ثانیاً" کی حقیقت بھی واضح ہو گئی کیونکہ کیا حرج ہے کہ ایک شے ایک جزء کے اعتبار سے ایک مقولہ کے تحت ہو اور دوسرے جزء کے اعتبار سے دوسرے مقولہ کے تحت ہو۔ پھر آپ کا اجتماع نقیضین کہنا بھی غلط ہے۔ اجتماع متنافیین کہنا چاہئے۔ جو عام ہے کیونکہ متنافیین نقیضین کو بھی شامل ہے۔ اور نقیض اور اس کے اخص کو بھی شامل ہے۔ اور یہاں ثانی صورت ہے۔ کیونکہ لا یقبل القسمۃ بالذات نفی مقید ہے۔ اور نقیض نفی مقید نہیں۔ بلکہ رفع مطلق ہے۔ کتب منطق کا مطالعہ کریں صحیح ہے۔ وَكَمْ مِنْ عَائِبٍ قَوْلًا صَحِيحًا وَآفَتُهُ مِنَ الْفَهْمِ السَّقِيمِ۔

اعتراض ۲ :۔ اہل فن کے نزدیک یہ مقدمات مسلّم ہیں۔

اوّل یہ کہ یہ مقولات اپنی ماتحت ماہیات مرکبہ کے لیے جنس عالی بنتے ہیں۔

ثانی یہ کہ جس ماہیت کے لئے کوئی جنس ہوگی۔ اس کے لئے کوئی فصل ممیز بھی ضرور ہوگی۔

ثالث یہ کہ کسی ماہیت کی جنس وفصل اس کی جمیع ذاتیات اور پورے اجزاء ہیں۔

رابع یہ کہ کسی ماہیت کی جنس وفصل کا تحقق اس کی جمیع ذاتیات کا تحقق ہے۔

خامس یہ کہ کسی ماہیت کی جمیع ذاتیات کا تحقق بعینہٖ ذات اور ماہیت کا تحقق ہے۔ ورنہ مجہولیتہ ذاتی لازم آئے گی۔ جیسے حیوان اور ناطق کا تحقق بعینہٖ انسان کا تحقق ہے۔ ان مقدمات کی تمہید کے بعد میں کہتا ہوں۔ کہ جب ایمان اپنے ایک جزو۔ مثلاً اعتقاد بالقلب کے اعتبار سے مقولہ کیف سے ہوا تو یہ اس کے لیے جنس ہوا اور جب اس کے لیے جنس ثابت ہوئی تو اب اس جنس میں جو چیزیں ایمان کے ساتھ شریک ہیں۔ ان سے امتیاز دینے والی کوئی فصل بھی اس کے لئے ضرور ہوگی۔ اور مسلم ہے۔ کہ وہ فصل جمیع ماجاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ تو جب یہ جنس اعتقاد بالقلب اس فصل ممیز کے ساتھ کسی شخص میں متحقق ہوگی تو گویا ایمان کی جمیع ذاتیات اور اس کے پورے اجزاء متحقق ہو گئے اور جب اس کی جمیع ذاتیات اور پورے اجزاء کا تحقق ہو گیا تو اب ایمان کا تحقق بھی لازمی ہے اور ورنہ لازم آئیگا تخلف ذات کا ذاتیات سے کل کا اپنے جمیع اجزاء سے۔ واللازم باطل فالملزوم مثلہ

اس اعتراض کو دوسرے واضح لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اگر ایمان چند مقولوں سے مرکب ہو تو لازم آئے گا۔ کہ اگر کسی شخص کو جمیع ماجاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دل سے اعتقاد ہو۔ لیکن زبان سے ان کا اقرار نہ کرے بلکہ انکار کرتا ہو اور عمل صالح بھی نہ کرتا ہو تب بھی وہ عند اللہ مومن ہے کیونکہ اس صورت میں ایمان کی جنس وفصل یعنی اس کی جمیع ذاتیات اور پورے اجزاء کا تحقق پایا جاتا ہے۔ پس ایمان کا تحقق بھی لازم ہے

اعتراض کی یہی تقریر نطق باللسان کے اعتبار سے بھی جاری ہو سکتی ہے۔ یعنی جب نطق کے اعتبار سے ایمان مقولہ فعل سے ہوا تو یہ اس کے لئے جنس بنا اب اس جنس کے اعتبار سے اس کے لئے کوئی فصل ممیز بھی ضرور ہوگی جب ان دونوں کا تحقق ہو جائے گا۔ تو

ایمان کا تحقق بھی ضروری ہے تو گویا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیئے کہ اگر کوئی شخص زبان سے جمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار تو کرتا ہو لیکن نہ اس پر اعتقاد رکھتا ہو اور نہ اس کے مطابق اچھے اعمال کرتا ہو تب بھی وہ عند اللہ مومن ہو۔ اس اعتراض کے سمجھ لینے کے بعد صاحب ذوق اس لطیف نکتہ سے ضرور محظوظ ہوں گے۔ کہ فاضل مجیب نے جس مقصد سے جواب کی یہ صورت اختیار کی تھی اس کا بالکل اُلٹ ہو گیا اور یہ دلیل ان کے مدعا کی مثبت ہونے کی بجائے مبطل ہو گئی۔ فتفکر۔

جواب:۔ نام تو آپ کا آفتاب احمد ہے لیکن باتیں آپ ظلمت کی کر رہے ہیں۔ صغریٰ کبریٰ پڑھے ہوئے بچے بھی جانتے ہیں۔ کہ جنس بعید اور فصل سے جمیع ذاتیات کا تحقق نہیں ہوتا۔ بلکہ جنس قریب اور فصل قریب سے جمیع ذاتیات کا تحقق ہوتا ہے۔ اور اجناس عالیہ اپنے ماتحت کے لئے اجناس بعید ہیں۔ اس بناء پر اخیر کے تین مقدمات باطل ہوئے اب تفریعات کا حال خود ہی سمجھ لیں فتامل فیہ

علاوہ اس کے جمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصل کہنا گویا ایمان میں اعمال کو داخل ماننا ہے کیونکہ جمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اعمال داخل ہیں۔ نیز فصل کا مرکب ہونا لازم آیا۔ حالانکہ فصل مرکب نہیں ہوتی۔ اور یہی اعتراض جار مجرور لجمیع ما جاء بہ صلی اللہ علیہ وسلم مجموعہ کو فصل بنانے کی صورت میں ہے۔ نیز جنس و فصل تو ذات پر محمول ہوتی ہیں۔ یہاں حمل نہیں فتامل

اعتراض ۳:۔ ایمان تین چیزوں سے مرکب ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ مقولہ عرض سے ہیں تو ایمان جو ان سے مرکب ہے۔ عرض ہوگا۔ اور عرض اپنے وجود فی نفسہ میں محل اور موضوع کا محتاج ہوتا ہے تو ایمان جو ایک ایسا عرض ہے جو مختلف المحال اعراض سے مرکب ہے اس کا محل کیا ہوگا۔ اس کے اجزاء حقیقیہ میں سے کسی کا محل دل اور کسی کا زبان اور کسی کا جوارح۔ اب یا تو یہ کہا جائے کہ ایمان کا محل ان تینوں کے علاوہ کوئی اور چیز ہے تو یہ بداہتہ باطل ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ انہی تینوں میں سے کوئی ایک ہے تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔ اور یہ بھی باطل ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ تینوں ہیں تو لازم آئے گا کہ ایک ہی چیز ایک ہی وقت میں مختلف محلوں کے ساتھ قائم ہو اور جب قیام العرض الواحد بمحلین مختلفین محال ہے تو یہ محال مختلفہ بطریق اولیٰ محال ہوگا۔ جب ایمان کو مرکب ماننے کے بعد اس کے تحقق کی یہ تمام صورتیں باطل ہیں تو معلوم

ہوا کہ اس کا مرکب ہونا ہی باطل ہے۔

جواب:۔ نماز میں قرأۃ زبان وغیرہ سے قائم ہے۔اور دوسرے ارکان باقی جوارح سے قائم ہے اور مجموعہ مل کر نماز ہے۔ اسی طرح ایمان کو سمجھ لیں۔ خدا جانے آپ کی بدحسی دیکھ کر کو کیا ہوا؟۔

اعتراض ۴:۔ ایمان جو جنس وفصل سے مرکب ہے، ماہیت جنسیہ ہے یا نوعیہ ماہیت جنسیہ ہونا تو باطل ہے اولاً اس لئے کہ جنس اس کلی کو کہتے ہیں جو کثیرین مختلفین بالحقائق پر ما ہو کے جواب میں بولی جائے۔ اور ایمان ایسی کلی نہیں کیونکہ اس کے ماتحت ایسی مختلف الحقائق ماہیات نہیں ہیں، جن سے ما ہی کے ساتھ سوال کرنے پر ایمان واقع ہو اور ثانیاً اس لئے کہ یہ ایک ایسی کلی ہے جس کا تحصل افراد حصصیہ کے ضمن میں ہوتا ہے وکل حقیقۃ" بالنسبۃ الی حصصھا نوع کما قال الفاضل البہاری لہذا اس کا ماہیت جنسیہ ہونا باطل اور ماہیت نوعیہ ہونا متعین ہوا تو اب اسکے افراد میں نفس ماہیت کے اعتبار سے زیادت ونقصان کیساتھ تفاوت نہیں ہو سکتا جیسے ماہیت انسانیہ کے افراد میں نفس حقیقت کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں بلکہ نفس انسانیہ میں سب برابر ہیں، اسی طرح نفس ایمان میں تمام مومنین برابر ہونگے اگر اختلاف ہوگا تو عوارض و آثار کے اعتبار سے ہوگا۔ اور اس کا کوئی منکر نہیں۔ حقیقت ایمان کے اعتبار سے افراد میں کمی زیادتی ماننا منطقی اصول سے غلط ہے۔ خواہ شرعاً صحیح ہی ہو ہاں یہ وہم نہ کیا جائے کہ یہ اعتراض صرف ایمان کے ماہیت نوعیہ ماننے کی بناء پر ہے نہیں یہ اعتراض تو پہلی شق پر بھی قائم ہے۔ اس لئے کہ ماہیت جنسیہ کے ماتحت انواع میں گو اختلاف نفس حقیقت کے اعتبار سے ہوتا ہے لیکن اس کی صورت اور ہے ماہیت جنسیہ میں کمی زیادتی کے اعتبار سے نہیں ہوتا۔ فافہم

جواب:۔ اول یہ مسئلہ کہ تشکیک فی الماھیات مختلف فیہا ہے۔ اشراقیین اس کے قائل نہیں۔ دوم اجزاء دو طرح کے ہیں۔ ذہنیہ خارجیہ جن سے فصل اجزاء ذہنیہ ہیں اور ایمان میں کمی زیادتی اجزاء خارجیہ کے لحاظ سے ہے چنانچہ درخت اور نماز کی مثال سے واضح ہے۔ میرے خیال میں آپ کو کوئی استاد نہیں ملا۔ ورنہ ایسی فاحش اغلاط ہیں واقع نہ ہوتے۔

اعتراض ۵:۔ احادیث شفاعت کے جن ظاہر الفاظ سے آپ نے ایمان کو مقولہ کم سے ہونا سمجھا ہے۔ یہ بھی محل نظر ہے اس لئے اگر احادیث میں مراد یہ ہے۔ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو

مجسم بناکر ان میں مقدار اور کیفیت پیدا کر دے گا۔ تو ان کو اس موقع پر پیش کرنا اور ان کے ایمان کے مقولہ کم سے ہونے پر استدلال کرنا بالکل بے محل اور غلط ہے اور اگر مراد یہ ہے کہ اسی عالم میں جو ایمان موجود ہے۔ وہ مقولہ کم سے ہے تو بتایا جائے کہ یہ ایمان بقول آپکے اعتقاد و نطق و عمل تین اجزاء حقیقیہ سے مرکب ہے یا یہ مرکب من حیث ہو مرکب مقولہ کم سے ہے یا اس کا کوئی جزو اگر کسی جزو کے اعتبار سے ہے تو بتائیے۔ کہ ان تین اجزاء میں سے کونسا جزء مقولہ کم سے ہے۔ یا ان تین اجزاء کے علاوہ کوئی جزء ایسا بھی ہے۔ جو ایمان کی حقیقت میں داخل ہے اور وہ مقولہ کم سے ہے۔ اگر کوئی اور جزء حقیقی ہوگا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اعتقاد و نطق، عمل ان تینوں اجزاء کے متحقق ہونے کے بعد بھی ایمان متحقق نہیں ہوگا۔ کیونکہ مرکب کے جمیع اجزاء متحقق نہیں ہوگا ———————— حالانکہ یہ بالاجماع باطل ہے۔ اور اگر ایمان کے یہی تین جزء ہیں۔ اور ان میں سے کوئی جزء بھی مقولہ کم سے نہیں تو پھر مرکب من حیث ہو مرکب مقولہ کم سے کیسے ہوا۔ نیز یہ بھی بتایا جائے کہ ایمان اگر مقولہ کم سے ہے تو اس کی قسموں میں کونسی قسم میں داخل ہے۔ کم منفصل ہے یا متصل ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ کم منفصل عدد کو کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایمان عدد نہیں لہٰذا وہ کم منفصل بھی نہیں۔ اور کم متصل بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ کم متصل کی دو قسمیں ہیں ایک قار الذات دوسری غیر قار الذات۔ غیر قار الذات صرف زمانہ ہے اور قار الذات تین چیزیں ہیں خط، سطح، جسم تعلیمی۔ ظاہر ہے کہ ایمان ان تین چیزوں میں سے کوئی بھی نہیں پس معلوم ہوگیا کہ ایمان کم سے نہیں۔

جواب :- میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ کہ طوطی کی طرح جو کچھ آپ کو یاد ہے اسی پر اعتراضات کی بنا رکھدی ہے۔ ورنہ پتہ کچھ نہیں۔ کم منفصل کو آپ نے عدد میں منحصر مانا ہے۔ حالانکہ علم موسیقی کا موضوع نغمہ۔ خوش آوازی بھی کم منفصل ہے۔ عدد کم منفصل قار ہے اور نغمہ کم منفصل غیر قار ہے۔ اور جب عمل ایمان میں داخل ہوا تو نغمہ بھی داخل ہوگیا کیونکہ نغمہ بھی عمل کی قسم ہے۔ مثلاً قرآن مجید یا کوئی اور ذکر نماز یا غیر نماز میں خوش آوازی سے پڑھے یا وعظ وغیرہ میں کوئی نظم یا کوئی موزوں کلام خوش الحانی سے ادا کرے تو اس اعتبار سے ایمان مقولہ کم کے تحت آگیا۔ اسی طرح نماز غیر نماز میں حرکات کی مقدار اور اندازہ یہ کم متصل غیر قار ہے۔ جو عمل کی قسم ہے۔

اور عمل ایمان میں داخل ہے۔ تو اس اعتبار سے بھی ایمان مقولہ کم کے تحت آگیا فتامل فیہ لیجئے، اب تو ہم نے جندی کی چندی کر دی اب خوب سمجھ آگئی ہو گی، اصل میں ایسی کمزوری کے ساتھ آپ کی حیثیت شاگردانہ ہونی چاہئے تھی مگر آپ نے خود کو علامہ فہامہ سمجھ کر مناظرانہ رنگ اختیار کر لیا۔ خیر آپ کی مرضی مگر اصل بات یہ ہے ؎

ہنوز طفلی و از نوشش و نیش بے خبری
زحسن ما چہ تو از حسن خویش بے خبری

اعتراض ۶:۔ اسی طرح احادیث شفاعت کے بعد دوسرے ظاہر الفاظ کو دیکھ کر آپ نے ایمان کو کوئی وزن دار چیز سمجھ لیا اور پھر منطقی حیثیت سے اس کو مقولہ کیف سے مان کر اس پر تفریع بھی کر دی فَيَزِيَادَتُهٗ وَنُقْصَانُهٗ مِنَ الْكَيْفِيَاتِ اور شروع نوٹ میں "تو صاف طور پر تحریر ہے۔ کہ احادیث سے بظاہر ثابت ہوتا ہے۔ کہ ایمان ایک کیفیت ہے اور اس کی کیفیت کی نوعیت آپ کے بیان کے مطابق یہ ہے۔ کہ وہ ذی وزن چیز ہے۔ تو گویا آپ کے نزدیک اس میں زیادتی و نقصان کا مطلب یہ ہے کہ اس کا وزن گھٹتا بڑھتا ہے اب یہاں بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے۔ جو اس سے پہلے نمبر میں گذر چکا ہے یعنی اگر ان احادیث میں مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو وزن دار بنائے گا۔ اور کسی جسمانی شکل میں ہو کر تولا جائے گا۔ تو اس موقع پر ان حدیثوں کا ذکر بالکل بے محل اور خروج عن المبحث ہے اور اگر مراد یہ ہے کہ فی الحال جو ایمان اس دنیا میں موجود ہے اور جس سے لوگ بالفعل متصف ہوتے ہیں۔ وہ وزن دار چیز ہے۔ اور اس میں کمی زیادتی وزن کے اعتبار سے ہوتی ہے تو اس کی صورت کیا ہے۔ اس لئے کہ جب ایمان۔ اعتقاد، نطق، عمل ان تین اجزاء سے مرکب ہے تو ان میں سے کونسا جزء ذی وزن ہے۔ اور جب مرکب اور مجموعہ کے اجزاء میں سے کوئی جزء بھی ذی وزن نہیں تو مرکب کیسے ذی وزن ہو گیا۔ اور اگر یہ تینوں اجزاء ایمان کے جمیع اجزاء نہ ہوں۔ بلکہ ان کے علاوہ کوئی ذی وزن جزء بھی ہو تو وہی استحالہ لازم آئے گا۔ جو ابھی نمبر ۵ میں گذرا ہے یعنی یہ اعتقاد بالقلب نطق باللسان۔ عمل بالارکان بجمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پائے جانے پر بھی ایمان نہ پایا جائے۔

فَاِنَّ الْکُلَّ لَا یَتَحَقَّقُ اِلَّا بِتَحَقُّقِ جَمِیْعِ اَجْزَائِہٖ وَھُوَ بَاطِلٌ اِجْمَاعًا فَتَاَمَّلْ

جواب :- ایمان کا مقولہ کیف سے ہونا احادیث شفاعت پر موقوف نہیں، کیونکہ کتب منطق میں اصح مذہب پر اعتقاد کو مقولہ کیف سے لکھا ہے۔ اس اعتبار سے ایمان کا مقولہ کیف سے ہونا ظاہر ہے مزید براں ہم نے وزن کی جہت سے بھی مقولہ کیف سے ہونے کا حکم لگایا ہے۔ اس پر جو کچھ آپ نے اعتراض کیا ہے وہ کوئی نیا نہیں۔ اس لئے ایسے کئی اعتراض ہیں جن سے بعض کا ذکر ہم تنظیم جلد دس نمبر ۲۲ مورخہ یکم صفر المظفر ۱۳۶۲ھ مطابق ۸ مارچ فروری ۱۹۴۳ء میں کر چکے ہیں، یہ اعتراض بھی وہاں مذکور ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ دنیا میں بھی وزن دار ہونا ثابت ہے، مشکوٰۃ باب فی المعراج میں متفق علیہ حدیث ہے۔

عَنْ مَالِکِ بْنِ صَعْصَعَۃَ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَدَّثَہُمْ عَنْ لَیْلَۃِ اُسْرِیَ بِہٖ بَیْنَمَا فِی الْحَطِیْمِ وَرُبَّمَا قَالَ فِی الْحِجْرِ مُضْطَجِعًا اِذْ اَتَانِیْ اٰتٍ فَشَقَّ مَا بَیْنَ ھٰذِہٖ اِلٰی ھٰذِہٖ یَعْنِیْ مِنْ ثُغْرَۃِ نَحْرِہٖ اِلٰی شَعْرَتِہٖ فَاسْتَخْرَجَ قَلْبِیْ ثُمَّ اُتِیْتُ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَھَبٍ مَمْلُوْءٍ اِیْمَانًا فَغُسِلَ قَلْبِیْ ثُمَّ حُشِیَ ثُمَّ اُعِیْدَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ ثُمَّ غُسِلَ الْبَطْنُ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ مُلِئَ اِیْمَانًا وَحِکْمَۃً

ترجمہ :- مالک بن صعصعہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں معراج کا واقعہ سنایا کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا۔ کہ اس وقت میرے پاس ایک آنے والا آیا میرا پیٹ ہنسلی کے گڑھے سے زیر ناف تک پھاڑ دیا۔ پس میرا دل نکال لیا۔ پھر میرے پاس ایک سونے کا تھال لایا گیا۔ ایمان سے بھرا ہوا پس دل دھو کر ایمان سے بھر کر اپنی جگہ رکھ دیا گیا اور ایک روایت میں ہے۔ کہ آب زمزم سے دھو کر ایمان و حکمت سے بھر گیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن جو شئے وزن دار ہوگی۔ وہ ابھی سے وزن دار ہے چنانچہ تھال میں رکھ کر لانے سے ظاہر ہے۔ لیجئے اخیر تک آپ کی تقریر پر یک لخت پانی پھر گیا۔

اعتراض ۷ :- ایمان جو حقیقت واحدہ ہے اگر کئی مقولوں سے مرکب ہو۔ تو ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر مقولہ اس کے لئے جنس ہوگا۔ اور ہر ایک کا قرب اور بعد اس کے لئے ایک ہی درجہ پر ہوگا۔ یہ نہیں ہے۔ کہ ان میں سے کوئی قریب ہو اور کوئی بعید کیونکہ جنس قریب جنس بعید کے ماتحت ہوتی ہے۔ تو لازم آئے گا کہ ایک مقولہ دوسرے مقولہ میں داخل ہو۔ وھو محال

عند الحکمتاء۔ پس جب یہ تمام مقولے ایمان کے لئے ایک ہی مرتبہ کے لحاظ سے جنس نہیں گے۔ تو ماہیت واحدہ کے لئے مرتبہ واحدہ میں کئی جنسیں ثابت ہوں گی۔ حالانکہ اس قسم کی دو جنسوں کا ہونا محال ہے۔ فضلاً عن اجناس متعددۃ۔ چنانچہ مسلم میں ہے وھن

ھھنا یقترح عدم امکان جنسین فی مرتبۃ واحدۃ لماھیۃ واحدۃ

جواب ۸:- ایمان کا حقیقۃ واحدۃ ہونا نہ ہونا جواب نمبر ۳ سے معلوم ہو چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حقیقۃ واحدۃ فی نفسہا نہیں اعتبار شرع پر موقوف ہے کیونکہ مصطلحات شرع سے ہے اور ایک مرتبہ میں دو جنسوں کا نہ ہونا بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آیا ایک قسم کی دو جنسیں ایک مرتبہ میں ہونی منع ہیں مگر جن کے نزدیک تقویم جوہر کا عرض سے ہو سکتا ہے۔ ان کے نزدیک منع نہیں۔ فتامل میں آپ کو ذرا تفصیل سے سمجھاتا ہوں۔ اس میں شبہ نہیں کہ جسم حقیقۃ واحدۃ ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ جوہر جنس عالی ہے اب دیکھنا ہے۔ کہ اس کے نیچے انواع کون کون سے ہیں۔ کچھ شک نہیں۔ کہ ہیولیٰ بھی اس کی ایک نوع ہے۔ صورت جسمیہ بھی اس کی ایک نوع ہے۔ صورت نوعیہ بھی اس کی ایک نوع ہے۔ پھر عناصر اربعہ کا ہیولیٰ ایک ہے اور افلاک کا ہیولیٰ ہر ایک کا الگ ہے۔ نفس ناطق بھی جوہر کی ایک نوع ہے علیٰ ھذا القیاس عقول عشرہ بھی اس کے انواع ہیں۔ فتامل۔ غرض جوہر کے تحت بہت سے انواع درج ہیں اور یہ ان کی جنس ہے۔ اب ان انواع میں تمیز فصل سے ہوگی۔ نفس ناطق کی فصل الگ ہوگی۔ ہیولیٰ کی الگ ہوگی۔ صورت جسمیہ کی الگ ہوگی۔ عقول عشرہ کی الگ ہوگی۔ جبکہ جن کے نزدیک عقول عشرہ سے ہر ایک نوع ہے اور اس کلی کی قسم سے ہے۔ جو ہر ایک فرد میں منحصر ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک عقول عشرہ سے ہر ایک کی الگ فصل ہوگی۔ اب اس بناء پر لازم آیا کہ جسم دو نوع سے مرکب ہو۔ ایک ہیولیٰ دوسرا صورت حالانکہ جسم حقیقۃ واحدۃ ہے اس سے معلوم ہوا کہ دو نوع سے حقیقت واحدۃ کی ترکیب ہو سکتی ہے۔ پس اگر ایک مرتبہ میں دو جنسیں ہوں تو اس سے بھی زیادہ سے زیادہ یہی بات پیدا ہوگی۔ کہ دو نوع کی ایک حقیقت ہو جائے۔ پس جیسے وہ جائز ہے یہ بھی جائز ہونی چاہیئے۔

اعتراض ۸:- آپ فرماتے ہیں کہ ایمان کے تین اجزاء میں سے پہلے دو جزء اعتقاد و نطق کے فوت ہونے سے ایمان فوت ہو جائے گا۔ لیکن تیسرے جزء عمل کے فوت ہونے سے ایمان فوت نہیں

ہوتا الا الصلوٰۃ

میں کہتا ہوں کہ جب ایمان آپ کے نزدیک کئی مقولوں سے مرکب ہے تو ظاہر ہے کہ ہر

مقول اس کے لیے جنس ہے اور جنس اپنی نوع کے لئے اجزاء ذاتیہ میں سے ہوتی ہے تو جس طرح اعتقاد اور نطق مقولہ کیف اور مقولہ فعل سے ہیں۔ اسی طرح عمل بھی مقولہ فعل سے ہے تو جو نسبت پہلے دو اجزاء کو ایمان کے ساتھ ہے۔ بالکل وہی نسبت تیسرے جزء کی بھی اس کے ساتھ یعنی جس طرح ان دونوں جزؤں کی نسبت ایمان کے ساتھ نسبت الجنس الی النوع یا نسبت الذاتی الی الذات ہے۔ بالکل اسی طرح اس تیسرے جزء کی نسبت بھی اس کے ساتھ ہے۔ پھر منطقی حیثیت سے اس فرق کی کیا وجہ ہے کہ پہلے دونوں کی جزء تو اس کے لئے ارکان ہوں اور ان کے فوت ہونے سے ایمان فوت ہو جائے لیکن تیسرا جزء محض جزء ہی رہ جائے اور اس کے فوت ہونے سے ایمان فوت نہ ہو۔

جواب :۔ اس کا جواب نمبر ۸ میں آچکا ہے۔

اعتراض ۹ :۔ آپ نے اعمال صالحہ کو ایمان کے لئے اجزاء حقیقیہ بتایا ہے۔ اور اس کی تشبیہ درخت کے پتوں اور اس کی شاخوں نیز نماز کے واجبات اور سنن کے ساتھ دی ہے لیکن جو اعمال کی جزئیت کے منکر ہیں وہ تو اسی نظیر سے ان کی عدم جزئیت ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اعمال کی نسبت ایمان کی طرف نسبت الجزء الی الکل نہیں۔ بلکہ نسبت الفرع الی الاصل ہے۔ چنانچہ مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی اس مسئلہ پر ایک مبسوط بحث کرتے ہوئے آخیر میں اپنے مذہب کی توضیح کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

وَعِنْدَ الْفَرِيْقِ الثَّانِيْ (اي المنكرين الجزئية الاعمال) اَلْاَعْمَالُ لَيْسَتْ مِنْ اَجْزَاءِ الْاِيْمَانِ بَلْ هِيَ فُرُوْعٌ نَابِتَةٌ مِنْ اَصْلِ الْاِيْمَانِ الَّذِيْ هُوَ التَّصْدِيْقُ وَالْاِنْقِيَادُ الْقَلْبِيُّ كَمَا اَشَارَ اِلَيْهِ الشَّيْخُ وَلِيُّ الله الدهلوى فَنِسْبَةُ الْاَعْمَالِ اِلَى الْاِيْمَانِ عِنْدَنَا لَيْسَتْ نِسْبَةَ الْجُزْءِ اِلَى الْكُلِّ بَلْ نِسْبَةُ الْفَرْعِ اِلَى الْاَصْلِ اَوْ نِسْبَةُ الْبَدَنِ اِلَى الرُّوْحِ الْمُدَبِّرَةِ الخ
(فتح الملهم جلد ۱ ص ۱۵۷)

اسی طرح جزئیہ حقیقی کی تائید و تشبیہ میں نماز کے واجبات اور سنن کو پیش کرنا بھی محل نظر ہے۔ اس لئے یہ لوگ واجبات و سنن کو نماز کے لئے اجزاء حقیقیہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ

ان کو متممات وکملات صلوٰۃ کہتے ہیں، اگر کسی نے ان پر جزئیت کا اطلاق کیا ہے تو وہ علی سبیل المجاز ہے۔ كَمَا يَظْهَرُ بَعْدَ الرُّجُوعِ إِلَى أُمَّهَاتِ الْكُتُبِ مِنَ الْفِقْهِ۔

جواب:۔ نماز کے واجبات اور سنن اگر نماز سے خارج ہوں تو پھر ان میں اگر انسان ننگا ہو جائے یا منہ قبلہ رُخ نہ رہے یا کوئی اور شرط فوت ہو جائے تو نماز فاسد نہ ہونی چاہیئے کیونکہ نماز میں ان کی شرط ہے نماز سے خارج کے لئے ان کی شرط ہونے کی کونسی دلیل ہے۔ دیکھئے خطبہ عید دو رکعت کے قائم مقام ہے اس کو حنفیہ بے وضو جائز کہتے ہیں، تو واجبات اور سنن تو بہت بڑھے ہیں، جب یہ نماز سے خارج ہیں تو ان کے لئے شرائط نماز بطریق اولیٰ ضروری نہ ہونے چاہئیں لازم آئے گا کہ نماز پڑھتے پڑھتے انسان کئی دفعہ نماز میں داخل ہو اور کئی دفعہ خارج ہو۔ پس یہ نماز کے متممات کیا ہوئے حقیقت میں نماز کی ادھیڑ بنت ہوئی نیز اخیر میں سلام کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ یہاں تو جس رکن کو ذرا لمبا کیا، سلام پھر گیا۔ نیز قومہ جلسہ ودیگر تشہد وغیرہ یہ سب سلام ہوئے خدا کی شان حنفیہ کی نماز پہلے ہی نیچ اونچ اور دو رنگ میں تھی اب گلے پڑ رہا گو ہوگئی کہ ہر وقت سلام پھرتا رہتا ہے قائل پھر درخت کی مثال میں آپ نے شاخوں پتوں کو فرع بتلایا ہے پھر یہ بتلایئے کہ تمام ٹہنے کاٹ دیئے جائیں اور صرف تنا رہ جائے تو کیا اس کو درخت کہتے ہیں ہرگز نہیں پھر اصل فرع کی نسبت کیسی ہوئی۔ اور جب مجموعہ ٹہنے جزء ہوئے تو اس مجموعہ کی جزء میں ایک ایک ٹہنا بھی جزء ہوگیا حالانکہ ایک ٹہنے کی نفی سے درخت کی نفی نہیں ہوتی پھر اصل فرع کی نسبت شاخوں اور پتوں کی جزئیت کے منافی نہیں کیونکہ فرعیت تنے کے لحاظ سے ہے اور جزئیت درخت کے لحاظ سے ہے جو تنے اور شاخوں سے مرکب ہے۔ پس ایمان کی مثال درخت سے بالکل صحیح ہے۔ علاوہ اس کے اگر ان مثالوں میں آپ کو تردد ہے۔ تو دیوار کی مثال لیجئے یا مکان کی لیجئے ہر ایک اینٹ اس کی جزء ہے، لیکن اس کے نہ ہونے سے مکان کی یا دیوار کی نفی نہیں ہوتی۔

اعتراض ۱۰:۔ سائل نے اعمال کا تعلق ایمان کے ساتھ معلوم کرنے کے لئے اعضاء انسانیہ اور حقیقت انسانیہ کی جو نظیر پیش کی ہے آپ نے اس سے نفیاً یا اثباتاً کوئی تعرض کیوں نہیں کیا۔ اور بجائے اس کے دوسری دو نظیروں کی طرف عدول کرنے کی کیا وجہ ہے حالانکہ بظاہر جو صورت شاخوں کی درخت کے ساتھ ہے۔ وہی اعضاء انسانیہ کی انسان کے ساتھ ہے ثلاث عشرۃ کاملۃ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ

جواب:۔ عدول کی وجہ زیادہ وضاحت ہے۔ قائل۔ ہمارے مضمون کا جواب دیتے وقت اولاً اسلام

دین وغیرہ پر بھی روشنی ڈال دیں کہ اعتقاد، نطق، اعمال ان میں داخل ہیں یا نہیں مگر یہ یاد رہے ۔

نکتہ چین ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین — عبداللہ امرتسری ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ

سوال: اور حدیث من قال لا الہ الا اللہ کیا معنی ہے۔ کلمہ گو بے نماز بے زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

محی الدین بن محمد علی لکھنوی

جواب: جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہا وہ بے شک جنت میں داخل ہوگا۔ مگر مراد اس سے یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ اس کی آخری کلام ہو مثلاً مرنے کے وقت اس کی زبان پر لا الہ الا اللہ جاری ہو اس کے بعد اس نے کوئی کلام نہ کی اور لا الہ الا اللہ پر خاتمہ ہوگیا۔ وہ ضرور کسی نہ کسی وقت جنت میں جائے گا۔ کیونکہ اس وقت لا الہ الا اللہ پڑھنا یا تو نئے سرے سے ایمان لانا ہے یا پہلے ایمان کو تازہ کرنا ہے پس دونوں صورتوں میں دنیا سے بہتر حالت پر رخصت ہوا۔

جو لوگ بے نماز اور بے زکوٰۃ ہیں اور ان کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی ترغیب دی جاتی ہے لیکن وہ اس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پرواہ نہیں کرتے ان سے قطع تعلق ضروری ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب بنی اسرائیل نافرمانیوں میں مبتلا ہوئے۔ ان کے علماء نے ان کو روکا جب وہ باز نہ آئے تو علماء نے ان سے قطع تعلق نہ کیا بلکہ بدستور ان کے ساتھ بیٹھتے اٹھتے کھاتے پیتے رہے پس خدا نے سب کے دلوں کو یکساں بنا کر داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ان پر لعنت کر دی یہ اس لئے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ پھر سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا خدا کی قسم یا تو تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروگے اور ظالم کا ہاتھ پکڑو گے اور اس کو حق پر روکو گے اور ظلم سے بند کروگے ورنہ خدا تمہارے دل بھی یکساں بنا کر انہی کی طرح تمہیں لعنتی کرے گا۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ

۱۰ شعبان ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۲ ستمبر ۱۹۴۰ء

ڈرانا نہ ڈرانا برابر ہے تو کافروں کو وعظ بیکار ہے

سوال :- سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ہ

یعنی کافروں کو ڈرانا نہ ڈرانا برابر ہے۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اس کے آگے ہے۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ وَّلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے عذاب بڑا ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کا ٹل جانا ممکن ہے مگر ان کا ایمان لانا ناممکن ہے مگر تاریخ بتا رہی ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے کہ وہ سب منکرین حضور پر ایمان لے آتے ہیں۔ جب یہ مسلم امر ہے کہ تمام اہل مکہ اور مدینہ حضور پر ایمان لے آئے تو پھر ختم اللہ علی قلوبہم کا کیا معنیٰ ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ ختم کے معنیٰ ہمیشہ کے واسطے مسدود کر دینا منقطع کر دینا کہاں سے نکالے گئے۔ قرآن مجید میں ختم کے مشتقات مختلف مقامات میں استعمال ہوتے ہیں۔ مگر ایک جگہ بھی اس معنوں میں استعمال نہیں ہوئے تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول پر جب اس آیت الیوم نختم کو ہم وسیق الذین کفروا الی جھنم زمرا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ کہ قیامت کے روز جب جہنم کے چوکیدار جہنمیوں سے دریافت کریں گے کہ کیا تمہارے پاس رسول نہیں آیا تھا تو الیوم نختم کے قول کے خلاف نظر آ رہے ہیں۔ علاوہ ازیں ختم علی قلبک یطبع علی قلبک بھی قرآن مجید میں ہے جس سے ثابت ہوا کہ طبع اور ختم مترادف الفاظ ہیں۔ پھر ختم کے معنیٰ ہمیشہ کے لئے مسدود کرنا کہاں سے نکالے گئے۔

سید حسنات احمد۔ عابد منزل۔ بلی ماراں دہلی ۱۲ جولائی ۱۹۴۰ء

جواب :- اس سوال کا حل اختصار کے ساتھ ہم عرض کرتے ہیں تفصیل دیگر علماء پر چھوڑتے ہیں سائل نے مابعد کی آیات دیکھی ہیں۔ ماقبل کی نہیں دیکھی۔ اس سے قبل خدا فرماتا ہے ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ یعنی

قرآن مجید پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔ پرہیزگاروں سے مراد یہاں مراد وہ ہیں۔ جن کا خاتمہ پرہیزگاری پر ہونے والا ہے۔ کیونکہ اعتبار خاتمہ کا ہے۔ پہلے خواہ کوئی حالت ہو۔ اگر ساری عمر پرہیزگاری میں گذری ہو اور مرنے کے قریب مرتد ہوگیا ہو تو اس کی پہلی پرہیزگاری فائدہ نہیں دے سکتی۔

قرآن مجید میں ہے۔ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (پ ۲ رکوع ۱۱)

ترجمہ:۔ جو تم سے اپنے دین سے پھر جائے پس اسی حالت کفر میں مر جائے۔ تو ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں حبط ہوگئے اور یہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہنے والے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ پہلے خواہ مدت دینداری اور پرہیزگاری میں گذر جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی طرح اگر پہلے کفر کی حالت ہو اور اخیر میں تائب ہو جائے تو اس کے متعلق بھی خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ پ ع

ترجمہ:۔ خدا تعالیٰ ان لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

پس جب مدار خاتمہ پر ہوا۔ اور اس آیت سے وہی مراد ہوئے جن کا خاتمہ پرہیزگاری پر ہونے والا ہے تو ان الذین کفروا سے مراد بھی وہی کافر ہوں گے جن کا خاتمہ کفر پر ہونیوالا ہے جو خدا کے ہاں ابلیس کی طرح ازلی شقی ہیں۔ پس ان کے حق میں ختم سے مراد یہی ہوگا کہ ان کا راستہ ہمیشہ کے لئے مسدود ہے اور ختم کے معنی ہمیشہ ایک نہیں ہوتے بلکہ جیسا مقام ہے ویسے ہوتے ہیں۔ یہاں چونکہ ارشاد ہے کہ ان لوگوں کو ڈرانا نہ ڈرانا یکساں ہے یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لئے یہاں یہی مراد ہوگی۔ کہ ان کے لئے ہدایت کا راستہ مسدود ہے۔ اور یہ ازلی شقی ہیں۔ پس اب کسی قسم کا اعتراض نہیں رہا۔ کیونکہ اگر مکہ والے یا دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے لئے ہدایت کا راستہ مسدود نہیں ہوا اور وہ ازلی شقی ہو کر ان الذین کفروا الآیۃ کے تحت داخل نہ تھے بلکہ ھدی للمتقین کے تحت تھے پس ان کو ہدایت ہونی ضروری تھی۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے ابوجہل وغیرہ خاص کافر مراد ہیں۔ اور ان الذین کفروا میں موصول کی تعریف عہد خارجی کی قسم سے ہے چنانچہ بیضاوی وغیرہ میں اسی طرح لکھا ہے پس اس صورت میں بھی کوئی جھگڑا نہیں رہتا کیونکہ اگر مکہ مدینہ والے ایمان لائے ہیں۔ تو خاص

خاص لوگ جو اس آیت سے مراد ہیں، جیسے ابوجہل وغیرہ ان کو ایمان نصیب نہیں ہوا بلکہ وہ کفر کی حالت میں رخصت ہو گئے۔ پس آیت اپنی جگہ ٹھیک رہی اور ختم کے معنیٰ بھی یہی ہوئے کہ ان کے لیے ہدایت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے مسدود ہے۔ خدا تعالیٰ اس حالت سے بچائے۔ آمین ثم آمین۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ

سوال:۔ ہاروت ماروت فرشتے تھے یا شیطان بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ شیطان تھے با دلائل بیان فرمائیں۔ منیر الدین احمد ڈاکخانہ دہلی دیوان گنج ضلع پورنیہ وسائل عبداللطیف علوی

جواب:۔ ہاروت ماروت فرشتے تھے چنانچہ قرآن مجید کے الفاظ اس بات کو واضح کر رہے ہیں۔ ارشاد ہے وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ۔ اس آیت میں ہاروت و ماروت ملکین سے بدل ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ اہل کتاب نے اس شے کی تابعداری کی جو بابل شہر میں دو فرشتوں ہاروت ماروت پر اتاری گئی اور جو شیطان کہتے ہیں۔ بعض لوگ ولکن الشیاطین میں شیاطین سے بدل بناتے ہیں۔ حالانکہ اگر اس سے بدل ہوتا تو اس کے ساتھ ذکر ہوتا نیز کفروا وغیرہ صیغے جمع کے اس کے خلاف ہیں۔ غرض قرآنی روش صاف بتا رہی ہے کہ ہاروت ماروت فرشتے تھے۔

علاوہ ازیں وہ جادو سے روکتے تھے اور کہتے تھے کہ کفر نہ کرو اگر وہ شیطان ہوتے تو کفر سے کیوں روکتے تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض اس قسم کی احادیث بھی آتی ہیں۔ جن میں ذکر ہے کہ فرشتوں نے خدا سے عرض کی کہ اگر انسانوں کی جگہ ہم ہوں تو گناہ نہ کریں۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہاروت و ماروت کو خواہشات نفسانی لگا کر بھیجا مگر وہ گناہ سے بچ نہ سکے چنانچہ جامع صغیر اور تفاسیر وغیرہ میں اس قسم کی روایتیں موجود ہیں۔ بیضاوی ہو یا رازی یا کوئی اور جس کا قول مذکور بالا بیان کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ و
۲۵ رجب ۱۳۸۰ھ لاہور

مسئلہ تقدیر

سوال:۔ مسئلہ تقدیر کی کیا اصلیت ہے۔ اور کسب اور خلق میں کیا فرق ہے؟ یعنی جن اشخاص کو خدا تعالیٰ نے دوزخی بنا دیا ہے اور ان کو اسی کے لئے پیدا کیا تو پھر ان پر کیا الزام ہے؟